© rasailojaraid.com

تعارف وتبصرہ

ایجوکیشن اِن اَرلی اسلامک پیریڈ

(ظفر عالم)

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ اپریل ۱۹۹۱ء صفحات ۸۶۔ قیمت ۱۵ روپیے

یہ کتاب دراصل مصنف کا ایم فل کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم میں بحیثیت ریسرچ اسکالر انھوں نے تحریر کیا تھا۔ اس میں زیر بحث موضوع پر چار ابواب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

پہلے باب میں ایام جاہلیت میں موجود علم وثقافت کا ذکر ہے۔ گرچہ اس عہد میں باضابطہ علمی کتابوں کا سراغ نہیں ملتا تاہم اہل عرب اپنے پڑوس کی علمی سرگرمیوں سے باخبر تھے۔ ان کے پاس پائے جانے والے آلات کتابت اس کے شاہد ہیں وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے مصنف نے بعض تاریخی حوالوں سے اس دعوی کو غلط ثابت کیا ہے کہ ۵۶۰ء سے قبل تک اہل عرب کتابت سے ناواقف تھے۔ اس علاقہ میں پہلا شخص جس نے تدریس کو ایک مشغلہ کی حیثیت سے اختیار کیا تھا وہ وادی القریٰ کا ایک باشندہ تھا۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں صرف ایک قبیلہ قریش میں ۱۷ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

مصنف نے علم کے معاملہ میں مدینہ کے مقابلہ میں اہل مکہ کی برتری کا بھی ذکر کیا ہے جس کا ثبوت ان کے نزدیک یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ عہد جاہلیت کی خواتین بھی علم سے بے بہرہ نہ تھیں۔ مصنف نے اس عہد کے متعدد تعلیمی اداروں کا بھی ذکر کیا ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ ابوسفیان بن امیہ مکہ میں کتابت کے فن کو روشناس کرانے والا پہلا شخص ہے (ص۲۱) یہ بات خود ان کی فراہم کردہ معلومات کے خلاف ہے کہ یہ فن زمانۂ قدیم سے مکہ میں رائج تھا۔ ص ۱۹، ۲۰

دوسرے باب میں مصنف نے علم کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والی آیت علم کے حصول (اقرا) کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے قرآن کے زیر سایہ جو امت تشکیل پائے گی وہ علم کی دنیا میں کیسا انقلاب لائے گی۔ قرآن نے آپسی معاملات کو ضبط تحریر میں لانے کی تاکید کی ہے۔ وہ اپنے بنیادی موضوع "حق کی تلاش" کے لیے بھی انفس و آفاق کی آیات پر تدبر اور عقل و خرد سے کام لینے پر زور دیتا ہے۔ قرآن و حدیث سے مسلمانوں کے اوپر تبلیغ کی جو مقدس ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی انجام دہی علم کے حصول اور دین کے تقاضوں کے صحیح فہم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اس طرح علم کی اشاعت مسلمانوں کا دینی فریضہ قرار پایا اور اس برادری کا ہر فرد علم کی اشاعت کی مہم کا زبردست کارکن بن گیا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ اسلام علم کو اتنا عام کر دینا چاہتا ہے کہ اس کے چھپانے والے کو خطرناک عواقب کی دھمکی دیتا ہے۔

اسلام محض علم سے بحث نہیں کرتا وہ ایسے علم کے فروغ کا حامی ہے جو نفع بخش ہو۔ اسی طرح دنیوی اغراض کے لیے اس کے حصول کو ناپسند کرتا ہے۔ اس نے اللہ کو علم کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ یہ علم دنیا میں انبیاء کرام کے ذریعہ آیا ہے اور مکمل ترین شکل میں حضرت محمدؐ کی معرفت انسانوں کو ملا۔

تیسرا باب رسول اکرمؐ کے عہد میں تعلیم و تعلم کی صورت حال پر ہے۔ اس میں رسول اکرم کی زندگی کو ایک معلم کی حیثیت سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے علم کے فروغ کے لیے کیا کیا طریقے اختیار فرمائے۔ بطور مثال غزوہ بدر کے گرفتار شدگان کی رہائی کا فدیہ دس آدمیوں کی تعلیم قرار دیا، قرآن مجید کی کتابت کا نظم، اس کے حفظ کی ترغیب اور آپ کے مراسلات وغیرہ کا ذکر ہے۔ مکہ میں دار ارقم پہلی درس گاہ تھی جہاں صحابہ کی تعلیم و تربیت کا نظم تھا حضرت عمر اس سے فیض اٹھانے والے آخری فرد تھے۔

ہجرت کے بعد مساجد خاص طور پر تعلیم، تبلیغ و تربیت کے مراکز بنیں۔ آپ کے زمانے میں اس طرح کی نو مساجد تھیں۔ جہاں مختلف قبائل کے مسلمان دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سب سے ابتدائی اقامتی درس گاہ "صفہ" کے فیض یافتہ افراد کی تعداد مولف نے علامہ شبلی کے حوالے سے چار سو لکھی ہے۔ وہاں تعلیم کی کوئی فیس نہ تھی، طالب علموں کی نجی ضروریات کا سامان بھی وہاں سے کیا جاتا تھا۔

اسلام نے جن سماجی برائیوں کا خاتمہ کیا ہے ان میں سے ایک عورتوں کو ان کی پست ترین حالت سے نکالنا بھی ہے۔ اسلام نے مردوں کے ساتھ ان پر بھی تعلیم کا حصول فرض قرار دے کر انہیں اپنی حیثیت کو پہچاننے کا موقع فراہم کیا اس طرح ہفتہ میں ایک دن ان کی تعلیم کے لیے رسول اکرمؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے خاص فرمایا تھا۔

مصنف کے اس نقطۂ نظر سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ رسول اکرم کے عہد میں قرآن و حدیث کی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ البتہ محتاط طریقے سے انھوں نے طب، علم ہئیت، علم نجوم، علم الانساب، تجوید و کتابت وغیرہ کو بھی اس دور کے نصاب تعلیم کا جزو قرار دیا ہے۔ اسی طرح ریاضی کی تعلیم کی پسندیدگی اور بعض عملی فنون کی تحصیل کی ترغیب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں کہ "مذکورہ بالا اجزائے تعلیم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہی ہوگا کہ ان کے ذریعہ مطلوبہ دینی، ذہنی اور جسمانی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل ہوجاتی تھی"۔ مصنف نے رسول اکرمؐ کے اس ارشاد سے اس عہد کی کم سے کم لازمی تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپؐ نے فقیہ بننے کے لیے کم از کم چالیس احادیث کو یاد کرنا لازمی قرار دیا تھا۔ اس حدیث کی یہ تعبیر جدت و انفرادیت تو رکھتی ہے مگر مناسب نہیں ہے۔ یہ صرف ترغیب و تشویق کے لیے ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ کہ جو شخص اپنے دین کے معاملات سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے گا اسے اللہ فقیہ کی حیثیت سے قیامت میں اٹھائے گا۔

ہجرت کے بعد ابتدائی ایام میں اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا کہ اسلام قبول کرنے والے مدینہ ہجرت کر جائیں اور وہیں آکر دین کی تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ اسلام کی توسیع کے ساتھ مختلف علاقوں میں مبلغین و معلمین بھیجے جانے لگے جو نومسلموں کو ان کے اپنے مقام ہی پر اسلامی تعلیمات سکھائیں اور ان کی تربیت کریں۔ ان معلمین کی سب سے بڑی تعداد ستر تھی جو بیرِ معونہ کے حادثہ میں شہید ہوئی۔

مصنف نے لکھا ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں جب گورنر متعین کیے جاتے تو ان کے ساتھ دین کی تعلیم دینے والے کسی فرد کو بھی بھیجا جاتا نیز گورنر کو جو ہدایات دی جاتیں ان میں تعلیم کا نظم اور علم کا مناسب انداز میں فروغ شامل ہوتا۔ رسول اکرمؐ نے اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں تعلیم کی صورت حال کا جائزہ اور نگرانی کے لیے حضرت معاذ بن جبلؓ کو خاص طور پر متعین فرمایا تھا۔

چوتھا باب خلفاء راشدین کے زمانہ کی تعلیمی صورت حال سے متعلق ہے۔

مصنف نے اس عہد میں بھی مدینہ کی تعلیمی مرکزیت کا ذکر کیا ہے اور حضرت ابوبکر کی خلافت کا سب سے اہم علمی کارنامہ قرآن مجید کی تدوین کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر کی تعلیمی اصلاحات کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا ہے نیز اس بات کی تردید کی ہے کہ حدیث کے متعلق ان کا رویہ منفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تاثر دینا صحیح نہیں ہے کہ عمرؓ نے احادیث کی کتابت کی ممانعت کی تھی یا قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی کتابت کے وہ خلاف تھے نیز یہ کہ تمام مکتوبہ احادیث کو جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ ان ہی کے زمانہ میں رجسٹروں کا اہتمام شروع ہوا، حکام اور فوجی سربراہوں کے درمیان بڑے پیمانے پر مراسلات کا سلسلہ شروع ہوا، ڈاک کا نظم قائم کیا گیا۔ فلسطین اور دمشق اس عہد کے دو اہم تعلیمی مراکز تھے۔

حضرت ابو درداءؓ کے طریقۂ تعلیم کا بھی ذکر ہے جن سے فیض پانے والوں کی تعداد ۱۶۰۰ تک شمار کی گئی ہے۔ اس عہد میں بھی عملاً مساجد ہی تعلیم کے مراکز تھے اس لیے اہم شہروں کے علاوہ گاؤں میں بھی مساجد کی تعمیر ہوتی اور اس ضرورت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں تعلیم کی کم سے کم سطح یہ مقرر کی تھی کہ ہر مسلمان کم از کم سورۃ البقرۃ، النساء، المائدہ، الحج اور النور تو ضرور ہی پڑھ لے۔ انھوں نے تعلیمی صورت حال کے جائزہ کے لیے ابو سفیان کو متعین کیا تھا جو تعلیمی سروے کا ابتدائی قدم کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں درس گاہوں کے قیام اور تنخواہ یاب مدرسین کے رکھنے کا سلسلہ شروع ہوا ان درس گاہوں میں ذہنی تعلیم کے ساتھ جسمانی ریاضت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس عہد میں چار ہزار نو سو تعلیم بالغان کے حلقے قائم تھے۔

حضرت عمرؓ اپنے عمال سے ایسے لوگوں کی تعداد بھی معلوم کیا کرتے تھے جو قرآنی علوم میں مہارت حاصل کر چکے ہوں۔ اسی ضمن میں ابو موسیٰؓ نے انھیں دس ہزار ایسے افراد کی فہرست بھیجی تھی جو قرآن حفظ کر چکے تھے۔

حضرت عمرؓ نے تجارت کے سلسلہ میں اسلامی قوانین کا ناکافی علم رکھنے والے پر دوکانداری کرنے کی ممانعت کر رکھی تھی۔ اسی طرح مصنف نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد کے تعلیمی امتیازات کا بھی ذکر کیا ہے۔

مصنف نے اس عہد کی انفرادی تعلیمی کوششوں کو بھی خاصا وقیع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کی توسیع کے ساتھ بڑی تعداد میں صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے اور وہ اپنے اپنے مقام پر دینی تعلیم کے مراکز قرار پائے۔ ایسے صحابہ کی تعداد شام میں دس ہزار، کوفہ میں ایک ہزار، حمص میں پانچ سو اور مصر میں ساڑھے تین سو تھی۔

مولف نے بعض ایسے صحابہ کا الگ سے تعارف بھی پیش کیا ہے جو مختلف تعلیمی موضوعات میں اختصاص و امتیاز کا درجہ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں متعدد صحابیات بالخصوص حضرت عائشہؓ کے علمی کارناموں کا بھی ذکر ہے۔ آخر میں سابقہ ابواب کا ایک خلاصہ ہے۔ یہ کتاب مختصر ہوتے ہوئے بھی انگریزی زبان میں ایک علمی اضافہ ہے کاش دوسری اشاعت میں اس کی پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ دی جائے۔

(منور حسین فلاحی)

© rasailojaraid.com